کشمیر میں اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا فروغ

Promotion of Urdu satirical and humorous poetry in Kashmir

عبدالباسط یاسین[i]
ڈاکٹر مختار احمد عزمی[ii]

Abstract:

Expressing Things in normal life are difficult tasks. A poet can conveniently express them in terms of humour. A Comedian uses various resources to create humour. These resources include comparison, amplification, verbal repetition, and verbal exception, incident, symbols, parody, and verbal imitation. In this paper, satirical and humorous poetry of Kashmir has been made the subject. Among the poets of Kashmir who have presented their works in humour and satire, the names of Bulbul Kashmiri, Azar Askari, Sabir Afaqi, Abdul Rehman Abd and Abid Mehmood Abid are prominent. These poets occupy an integral status in the history of the literature of Kashmir. They have presented their works through poems and ghazals and verses. Intellectually, the satire of these poets captures their weaknesses. contradictions, superstitions, coercion, and outdated systems of the individual and the community. Overall, their style is manifest and simple.

Keywords: Kashmir, Urdu, Poet, Poetry, Humor and Satire, Individual and Society, Parody, Verbal Imitation, Comparison, Symbols, Similes and Metaphors, Diction.

عام زندگی میں جن باتوں کا اظہار ایک مشکل کام ہے۔ ایک شاعران کا اظہار طنز و مزاح کے پیرائے میں بڑی آسانی سے کر سکتا ہے۔ ایک مزاح نگار مزاح پیدا کرنے کے لیے مختلف وسائل بروئر کار لاتا ہے۔ ان وسائل میں موازنہ ، مبالغہ ، تکرار لفظی ، رعایت لفظی ، صورت واقعہ ، رمز ، تحریف و تضمین اور لفظی نقالی شامل ہیں۔ اس مضمون میں کشمیر کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کو موضوع بنایا گیا ہے۔ کشمیر کے جن شعرا نے طنز و مزاح میں اپنی تخلیقات پیش کی ہیں ان میں بلبل کاشمیری ، آزر عسکری ، صابر آفاقی ، عبدالرحمٰن عبد اور عابد محمود عابد کے نام نمایاں ہیں۔ یہ شعرا کشمیر کے فکاہیہ ادب کی تاریخ میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے نظموں ، غزلوں اور قطعات وغیرہ کے ذریعے اپنی تخلیقات پیش کی ہیں۔ فکری حوالے سے ان شعرا کا طنز فرد اور سماج کی کمزوریوں ، تضاد ، توہم ، جبر اور فرسودہ نظام کو اپنی گرفت میں لاتا ہے۔ مجموعی طور پر ان سب کا اسلوب عام فہم اور سادہ ہے۔

کلیدی الفاظ: کشمیر ، اردو ، شاعر ، شاعری ، طنزو مزاح ، فرد ، سماج ، تضاد ، تحریف وتضمین ، لفظی نقالی ، موازنہ ، اشارات و کنایات ، تشبیہات و استعارات ، اسلوب۔

علامہ اقبال نے کشمیر کو ”ایرانِ صغیر“ کہا تھا۔ اس ضمن میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ کشمیر کا پاکستان کے ساتھ نا صرف جغرافیائی، تاریخی، لسانی اور ثقافتی اشتراک ہے بلکہ ایک ایسی قدر مشترک بھی ہے جو ان تمام اشتراکات سے ارفع ہے۔ وہ قدر مشترک دین ہے۔ اسی قدر مشترک کے باعث ہماری تہذیب و ثقافت اور زبان میں بہت سی مماثلتیں پائی جاتی ہیں۔ تاریخی اعتبار سے مغلوں کے دور میں اردو نے کشمیر میں خاطر خواہ ترقی کی۔ ریاست جموں و کشمیر تین حصوں میں منقسم ہے۔ تینوں خطوں کے درمیان رابطے کی زبان اردو ہے۔ اردو زبان اپنے آغاز کے بعد رفتہ رفتہ علم و ادب کی زبان بن گئی۔ کشمیر میں اردو

[i] اسکالر پی ایچ ڈی ، شعبہ اردو ، منہاج یونی ورسٹی ، لاہور۔
[ii] استاد ، شعبہ اردو ، منہاج یونی ورسٹی ، لاہور (Corresponding Author)

زبان کے اولین نمونے نثر کی شکل میں ملتے ہیں۔ اس کا آغاز داستانوں سے ہوا۔ ریاست میں علم و ادب کے تین بڑے مراکز تھے۔ ظہورالدین لکھتے ہیں:

> اسلام اور مغلیہ سلطنت کے فروغ کے ساتھ اس علاقے میں دو تین ادبی مراکز ابھرے۔ یہ ادبی مراکز کشتواڑ، پونچھ اور مظفرآباد تھے۔[۱]

ان مراکز علم کے حوالے سے صابر آفاقی لکھتے ہیں:

> یہاں کی علمی و ادبی زبان اردو تھی۔ منڈی ہال اس شہر کے شاعروں، ادیبوں، دانشوروں اور عالموں کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ اس شہر نے ایسے باکمال پیدا کیے جنھوں نے آگے چل کر افسانہ نگاری، علم و ادب، سیاست، صحافت اور شاعری کے حوالے سے برصغیر میں نام پیدا کیا۔[۲]

پورے برصغیر سے علمی و ادبی شخصیات نے کشمیر میں آکر اس کے علمی و ادبی حسن میں اضافہ کیا۔ اردو کو کشمیریوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس زبان میں اپنی تخلیقات پیش کیں۔ کشمیری شاعروں کا محبوب موضوع فطرت پسندی اور تصوف ہے لیکن اس کے علاوہ بھی دیگر اصناف میں شعرائے کشمیر نے طبع آزمائی کی ہے۔ کشمیر میں اردو شاعری کے اولین نمونے غلام محی الدین میرپوری کی مثنوی گلزار فقیر کی صورت میں سامنے آئے۔ یہ مثنوی ۱۳۱۱ھ میں تحریر کی گئی۔ غلام محی الدین میرپوری کے بعد محمود گامی اور غلام احمد مہجور کے ہاں شاعری کے نمونے ملتے ہیں۔ ابتدائی نمونوں میں سنجیدہ شاعری کے ساتھ ساتھ مزاحیہ شاعری کے نقوش بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔

چراغ حسن حسرت: (جون ۱۹۰۴ء-۲۶ جون ۱۹۵۵ء)

کشمیر کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا ابتدائی اور بنیادی حوالہ چراغ حسن حسرتؔ ہیں۔ حسرتؔ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ انھوں نے اپنی تخلیقات پیش کرنے کے لیے مختلف اصناف ادب سے کام لیا۔ ان کی زیادہ تر تحریریں صحافتی ادب کی ذیل میں آتی ہیں۔ انھوں نے اس میدان میں اپنا الگ انداز متعارف کروایا۔ ان کا یہ طنزیہ و مزاحیہ کلام اردو کے صحافتی ادب کا بھی قیمتی سرمایہ ہے۔ افتخار مغل ان کی شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> حسرت کے مزاحیہ کلام پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا، انھیں ایک مزاح گو شاعر ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چراغ حسن حسرت کے ہاں ان کی شوخی اور بذلہ سنجی اسی طرح خوش سلیقگی اور سبھاؤ کے ساتھ اجاگر ہوئی جس طرح ان کے نثری ادب میں جھلکتی ہے۔[۳]

حسرت نے کئی نظموں کی پیروڈیاں لکھی ہیں۔ وہ آزاد نظم کے مخالف تھے۔ اسی لیے اس پر طنز کے نشتر چلاتے ہوئے انھوں نے اس کی پیروڈی بھی لکھی۔ انھوں نے اختر شیرانی کی نظم ''یہی وہ وادی ہے ہمدم جہاں ریحانہ رہتی ہے'' کی پیروڈی لکھی جو بہت مقبول ہوئی۔ انھوں نے مثنوی ''گلزارِ نسیم'' کی پیروڈی بھی بڑے احسن انداز میں کی ہے۔ اس میں انھوں نے صورت واقعہ سے مزاح تخلیق کیا ہے۔ چراغ حسن حسرت نے مزاح پیدا کرنے کے لیے تمام حربوں کو استعمال کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے جس حربے کو کامیابی سے استعمال کیا ہے وہ لفظی ہیر پھیر ہے۔ وزیر آغا اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> یوں تو مولانا چراغ حسن حسرت کی نگارش میں طنز و مزاح کے سارے رنگ ملتے ہیں اور انھوں نے اپنی طنز میں شدت پیدا کرنے کے لیے طنز کے بہت سے حربوں مثلاً مبالغہ، موازنہ، واقعہ وغیرہ سے بھی کافی کام لیا ہے۔ لیکن دراصل ان کی طنز کی اساس لفظی الٹ پھیر پر استوار ہے۔[۴]

حسرت کی کچھ نظمیں اس نوعیت کی ہیں کہ انھیں خالص طنز کی ذیل میں رکھا جا سکتا ہے۔ ان نظموں میں ''جنگ نامہ وزارت'' اور ''یونی نسٹ پارٹی کی شان میں'' اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کے ہاں تفکر کے ساتھ ساتھ تاریخی شعور کی رو بھی ملتی ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے دور کی سیاست پر ان کی نظر کتنی گہری تھی۔

شیخ غلام علی بلبل کاشمیری: (۱۹۲۲ء-۱۹۹۸ء)

کشمیر کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ایک بنیادی نام شیخ غلام علی بلبلؔ کاشمیری کا ہے۔ ان کا شمار اپنے دور کے مقبول و معروف شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کی کتاب خندہ گل کشمیر کے فکاہیہ ادب کی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ انھوں نے نظموں، غزلیات اور قطعات کے ذریعے اپنے فن کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے غزل میں بھی مزاحیہ رنگ بھرنے کی سعی کی ہے۔ ان میں وہ غزلیات توجہ کا مرکز ہیں جنھیں انھوں نے

مخصوص نام دیے ہیں۔ مثلاً ایسی تیسی غزل، فروٹی غزل، طبّی غزل، فوجی غزل موٹر غزل، جغرافیائی غزل، موچیانہ غزل، پاولی غزل، بنکاکی غزل اور کڑوی غزل وغیرہ۔ بلبل کاشمیری "طبّی غزل" میں لکھتے ہیں:

بدن کا ذرا ایکسرے کیجیے گا
کہ درد محبت کہاں ہو رہا ہے[۵]

بلبل کاشمیری کی کتاب خندہ گل کے مقدمے میں ضمیر جعفری لکھتے ہیں:

> اس کے ہاں الفاظ کو موسیقی میں ڈھالنے کا ہنر کس عروج پر ہے۔ پھر اس کے مزاج میں فنکارانہ "دخل در معقولات" کا وہ عنصر بھی فنکارانہ چابک دستی کے ساتھ موجود ہے جس کے بغیر ظرافت میں طنز کی دھاری بالکل ہی کند اور پھوہڑ ہو کر رہ جاتی ہے۔۔۔۔۔ مجھے یقین ہے ان کی شاعری محض تفریحاً نہیں پڑھی جائے گی اور یہ وہ سطح ہے جو کسی شاعر کو آسانی سے میسر نہیں آتی۔[۵]

بلبل کاشمیری کی شاعری میں موضوعات کا تنوع ہے۔ ان کے کلام میں محبت، سیاست، سماجیات اور اخلاقیات وغیرہ سب موجود ہیں۔ بلبل کاشمیری مزاح کی تخلیق کے لیے مختلف وسائل بروئے کار لاتے ہیں۔ کہیں صورت واقعہ سے مزاح تخلیق کرتے ہیں۔ بلبل کاشمیری لکھتے ہیں:

چہرہ جناب شیخ کا ہے کس عذاب میں
بیوی نے کچھ ملا نہ دیا ہو خضاب میں[۵]

پیروڈی یا تحریف مزاح کا ایک عام اور مقبول اسلوب ہے۔ بلبل کاشمیری نے بھی اس سے کافی استفادہ کیا ہے۔ اور اس میں ایک خاص رنگ پیدا کیا ہے۔ انھوں نے اختر شیرانی کی مشہور نظم "او دیس سے آنے والے بتا" کی پیروڈی بہت خوب صورت کی ہے:

کیا اب بھی بزرگوں کے سر پر دستار فضیلت ہوتی ہے — کھل جائے تو اس کے باندھنے میں کیا وہی مصیبت ہوتی ہے
ہر پیچ کو سیدھا رکھنے کو شیشے کی ضرورت ہوتی ہے — دستار میں اب بھی رکھتے ہیں نسوار وطن پیران وطن[۵]

بلبل کاشمیری نے ایک طرف اقبال کے کلام کی خوب صورت پیروڈی کی ہے تو دوسری طرف اقبال کے تخیل کے بالمقابل ایک اچھوتا خیال بھی پیش کیا ہے۔ انگریزی کے الفاظ کو بھی بڑی آسانی سے شعر کا حصہ بنا دیا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

یہاں ہر سال "ونٹر" اپنی بے نوری پہ روتا ہے — بڑی مشکل سے ہوتا ہے "ولایت" میں "سمر" پیدا

جگر تھامے ہوئے بیٹھے ہیں دیکھو ڈاکٹر سارے   کہ کیسے ہو گیا بلبل میں شاہیں کا جگر پیدا[۵]

انھوں نے تضمین سے بھی اپنے کلام کو سنوارا ہے۔ اس میں جس فنی مہارت اور ذہانت سے کام لینا پڑتا ہے وہ ان کے یہاں بدرجہ اتم موجود ہے۔ بلبل کاشمیری لکھتے ہیں:

بلبلؔ ہوا کے دوش پر اڑتا ہے اس طرح
"نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں"[۵]

بلبل کاشمیری کے ہاں طنز کی کاٹ کچھ دھیمی ہے۔ وہ طنز کی بنسبت مزاح سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ ان کے ہاں شگفتہ کلامی کی بہتات ہے۔ حامدی کاشمیری نے اس سلسلے میں جو رائے دی ہے وہ بلبلؔ کے کلام کو سمجھنے میں ممد و معاون ہے۔ حامدی کاشمیری رقم طراز ہیں:

> بلبل کاشمیری کی شاعری بظاہر خوش طبعی اور ظرافت ہی کی پیدا وا معلوم ہوتی ہے۔ وہ اشخاص، اقوام اور تہذیبوں کی کج ادائیوں، غلط کاریوں اور تضادوں پر ہنستے ہیں۔ ان کی ہنسی ان کی خوش مزاجی، نرمی، لطافت اور ہمدردی کی زائیدہ ہے۔ ان کے اشعار خندہ آور ہیں لیکن خندہ کی زور دار گونج پیدا کرنے کی بجائے نرمی کا احساس دلاتے ہیں۔ جب ہنسی ڈوب جاتی ہے تو اداسی، محرومی، تلخی یا پچھتاوے کی کوئی پرچھائی باقی نہیں رہتی بلکہ کشادگی، لطافت اور شگفتگی کی تابناکی برقرار رہتی ہے۔ یہ ایک معصوم انسان کا احساس مزاح ہے جو اشخاص اور اشیا میں عدم توازن کو دیکھ کر بے ساختگی سے ہنس پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی مزاحیہ شاعری میں طنز کی کاٹ نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بلبل کاشمیری زندگی کا کوئی اوپری مطالعہ رکھتے ہیں۔ وہ ایک زیرک، تر دماغ، حقیقت شناس اور مثالیت پرست فنکار ہیں، جو زندگی کے ناہموار حقائق سے متصادم ہو کر مزاحیہ رد عمل کا بے ساختہ اظہار کرتے ہیں۔ غور کیجیے تو ان کا مزاحیہ رد عمل کاروبارِ حیات کی اصلیت کو بھی آشکار کرتا ہے اور زندگی کرنے کے لیے جگر اور حوصلہ بھی عطا کرتا ہے۔ وہ زندگی کے کھردرے پن کو ہنسی میں ڈال کر دراصل زندگی اور معاشرے کے گہرے ادراک کا ثبوت دیتے ہیں۔[۶]

کشمیر کا یہ بڑا مزاح نگار ۱۹۹۸ میں خالق حقیقی سے جا ملا۔ آج بھی اس عظیم مزاح نگار کا کچھ غیر مدون کلام طباعت کا منتظر ہے۔

قاضی غلام محمد:(۵نومبر ۱۹۳۶ء)

انعام الحق جاوید گل ہائے تبسم میں لکھتے ہیں:

۵نومبر ۱۹۳۶ء کو اننت ناگ میں پیدا ہوئے۔ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں تعلیم حاصل کر کے کشمیر یونی ورسٹی میں ریاضی کے پروفیسر ہوئے۔ اردو کے بڑے طناز شاعر ہیں۔ ''حرفِ شیریں'' کے نام سے شگفتہ شاعری کا مجموعہ سید محی الدین زور نے ادارہ ادبیات حیدرآباد سے ۱۹۶۲ء میں شائع کرایا۔[۷]

قاضی غلام محمد کے مجموعہ کلام حرفِ شیریں کے دیباچے میں محی الدین قادری زور لکھتے ہیں:

جب سے میں کشمیر میں قیام پذیر ہوں، برابر محسوس ہوتا رہا ہے کہ اس سرزمین کے رہنے والوں کو علم و فضل، شعر و سخن اور فنون لطیفہ سے ایک طرح کا فطری لگاؤ ہے۔۔۔۔۔ ایسے ہی مست الست لوگوں میں جامعہ کشمیر کے شعبہ ریاضیات کے پروفیسر قاضی غلام محمد بھی پیش پیش نظر آتے۔ جب ان کا کلام سنا اور پڑھا تو محسوس ہوا کہ ایک خشک مضمون کے استاد میں یہ اعلیٰ پایہ کا باشعور دیدہ ور شاعر چھپا ہوا ہے۔[۸]

قاضی غلام محمد کے کلام میں زندہ دلی کے جن عناصر کی بہتات ہے اس سے کشمیری قوم کے مزاج اور ماحول کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ان کی شاعری سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک کشمیری کس طرح مصائب کے ہوتے ہوئے نا صرف جینے کا بلکہ ہنسنے اور ہنسانے کا ہنر بھی جانتا ہے۔ قاضی صاحب کے عمدہ فن پاروں میں ''مفلسوں کا قومی ترانہ''، ''انٹرویو بورڈ کے سوالات'' اور ''پیر و مرید'' شامل ہیں۔ قاضی غلام محمد انٹرویو بورڈ کے سوالات میں لکھتے ہیں:

ماہیت فلسفہ کو سمجھاؤ سائیکل ٹیوب کا محیط بتاؤ
کتے راتوں کو کیوں نہیں سوتے سینگ گدھوں کے کیوں نہیں ہوتے[۸]

عبدالقادر سروری نے قاضی غلام محمد کے طرز اسلوب میں پیروڈی کے فن کی طرف توجہ دلائی ہے۔ سروری لکھتے ہیں:

پیروڈی جو ایک مشکل فن ہے۔ اس میں قاضی کو ایک خصوصیت حاصل ہے۔ اس اعتبار سے ہند پاک شعراء میں انہوں نے ایک مقام پیدا کر لیا ہے۔ پیروڈی میں لفظوں یا اصل

کے اظہاروں کو مسخ کر کے جو لطف پیدا کیا جاتا ہے، وہ سستا مذاق ہوتا ہے۔ قاضی کے یہاں آمد ہوتی ہے۔ سنجیدہ شعرا کے سنجیدہ تصورات کو مضحک مرتبے پر لانے کا قاضی کا اپنا اسلوب ہے۔[۹]

ڈاکٹر محی الدین قادری زور آپ کی صلاحیتوں کے معترف تھے اور یہی مقصد حرفِ شیریں کے شائع کروانے کا بھی تھا۔ ڈاکٹر قادری زورؔ کی اسی کوشش کی وجہ سے ہم اردو کے ایسے مایہ ناز مزاح نگار سے متعارف ہو سکے ہیں۔

آزرؔ عسکری: (۲۸ اپریل ۱۹۱۱ء۔ ۱۹۸۳ء)

آزر عسکری آزاد کشمیر کے وہ نمائندہ اور روایت ساز شاعر ہیں جنھوں نے طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے پھلنے پھولنے میں کلیدی کردار ادا کیا اور نا صرف آزاد کشمیر میں بلکہ کشمیر سے باہر بھی مزاح کی شعری روایت میں اپنا نام اور مقام پیدا کیا۔ حبیب کیفوی لکھتے ہیں:

آزر عسکری ۲۸ اپریل ۱۹۱۱ کو اسکردو (بلتستان) میں پیدا ہوئے۔۔۔۔ وہ جموں و کشمیر کے واحد طنز و مزاح نگار شاعر ہیں۔ جس شعری محفل میں کلام سناتے تھے اس میں قہقہوں کے فوارے پھوٹ نکلتے تھے لیکن جب اہل فکر ان کے کلام پر غور کرتے تو انھیں طنز و مزاح کے پردے میں معاشرے کے روگ اور رستے ناسور دکھائی دیتے ہیں۔[۱۰]

کشمیر کی مزاحیہ شاعری میں آزرؔ عسکری کا ایک خاص مقام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صابرؔ آفاقی نے آپ کو ''اکبر کشمیر'' کا خطاب دیا۔ آزرؔ آزادی سے پہلے ہی سری نگر سے لکھنؤ تک مشاعروں میں اپنی پہچان پیدا کر چکے تھے۔ انعام الحق جاوید گلہائے تبسم میں لکھتے ہیں:

ضمیر جعفری آزر صاحب کے بہت معترف تھے اور انھوں نے ٹی وی کے پہلے کل پاکستان مزاحیہ مشاعرے کا نام کشتِ زعفران ان کی کتاب کی مناسبت سے ہی تجویز کیا تھا۔[۱۱]

آزرؔ ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ مزاحیہ رنگ میں آمد اور برجستگی کا یہ عالم ان ہی سے خاص تھا۔ کشتِ زعفران کی نظم ''انٹرویو'' ان کی فنکارانہ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ عسکری رقم طراز ہیں:

ایک مصیبت ''انٹرویو'' ہے   کیوں ذو معنی لفظ یہ ''ڈیو'' ہے
بیوی اکثر کیوں روتی ہے   ساس مصیبت کب ہوتی ہے"

آزرؔ کے کلام میں جو برجستگی اور روانی ہے اس نے ان کی شاعری میں موسیقیت جیسے شعری خصائص پیدا کر دیے ہیں۔ عسکری کے یہاں تلازمہ خیال اور رواں بحر نے ان اشعار کا لطف دو چند کر دیا ہے:

بات چلتی نظر نہیں آتی　　دال گلتی نظر نہیں آتی
آ گیا دور تک تعاقب میں　　وہ پھسلتی نظر نہیں آتی"

آزرؔ عسکری کی نظم "وجہِ بیان" میں طنز کے عنصر کے ساتھ صوتی آہنگ اور لفظی صناعی کو یکجا ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

شکل و شباہت یکساں یکساں، راہ تفاوت فرسخ فرسخ
اپنی نظر میں کعبہ کعبہ، شیخ کے لب پر لندن لندن"

خواجہ غلام احمد پنڈت لکھتے ہیں:

اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آزر کا فن کشمیری شال کی طرح خالص کشمیر نژاد ہے۔ اس کا خمیر اسی مٹی سے اٹھا ہے وہ اسی آب و گل کا پیکر ہے مگر اس کا تخیل قیدِ مقامی کا اسیر نہیں۔[۱۲]

فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

ظریف جبل پوری اور راجا مہدی علی خان کے ہم عصروں میں آزاد کشمیر کے آزر عسکری اور حیدر آباد سندھ کے عظیم الکریم عباسی بھی اس جگہ قابل ذکر ہیں۔ دونوں شاعر صاحب فکر و نظر ہیں اور ان کو زبان و بیان پر قدرت ہے جو کچھ کہا ہے فکر و فن کے لوازم کے ساتھ کہا ہے۔[۱۳]

آزاد کشمیر میں طنز و مزاح کی روایت کو سب سے زیادہ ثروت مند آزر عسکری نے کیا ہے۔ کلیم اختر جہانِ ظرافت میں لکھتے ہیں:

جناب آزر عسکری کا شمار اردو شعر و ادب کے ممتاز مزاح نگاروں اور طنز نگاروں میں ہوتا ہے۔ در حقیقت ریاست جموں و کشمیر میں ان کے پائے کا کوئی دوسرا طنز نگار نہیں ہوا۔[۱۴]

آزاد کشمیر کی شاعری میں آزر عسکری کو وہی مقام حاصل ہے جو اکبر الٰہ آبادی کو برصغیر کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں حاصل ہے۔ اسی لیے آپ کو "اکبر کشمیر" کا خطاب دیا گیا۔ ان کی یاد میں "بزمِ آزر" کے نام سے ایک انجمن کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جس کا مقصد آزر عسکری کی جاری کردہ روایت کے تسلسل کو

برقرار رکھنا ہے۔

صابر آفاقی: (۹ مارچ ۱۹۳۳ء- ۱۰/ اپریل ۲۰۱۱ء)

صابر آفاقی ایک محقق، نقاد، مورخ اور شاعر کی حیثیت سے آزاد کشمیر اور پاکستان میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ صابر آفاقی کو علم و فضل سے محبت وراثت میں ملی تھی۔ ان کے والد مشہور عالم دین اور شاعر تھے۔ انھوں نے تہران سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ فارسی، اردو، گوجری اور پہاڑی میں شاعری کی۔ ان کا وسیع مطالعہ اور علمی پس منظر انھیں دیگر شعرا سے ممتاز کیے ہوئے ہے۔ صابر آفاقی کے مجموعہ کلام خندہ ہائے بیجا کے دیباچے میں انور مسعودؔ لکھتے ہیں:

> صابر آفاقی کی مزاحیہ اردو شاعری ہمارے بیمار معاشرے کی شفاف آئینہ داری کرتی ہے۔ انھوں نے ہمارے سماج کی سلسلہ در سلسلہ بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کی بھرپور نشاندہی کی ہے۔ دفتر، افسر و ماتحت بازار، چور بازاری، تعلیمی ادارے، گھریلو زندگی، سیاسی لیڈر، وزرائے کرام، نام نہاد دانش ور، ذرائع ابلاغ، مولوی اور مسٹر، پولیس اور تھانے، تخریب کاری، ڈاکٹر اور ہسپتال خارجہ پالیسی، ملکی مصنوعات، سجادہ نشین اور محکمہ موسمیات، غرض وہ ساری شخصیتیں اور وہ سارے ادارے جن کے سہارے زندگی کے سارے دھارے بہتے ہیں صابر آفاقی کے موضوعات ہیں۔[۱۵]

صابر آفاقی لفظوں کے صوتی آہنگ سے بھی معنی آفرینی کا کام لیتے ہیں جو ایک طرف ان کے کلام میں ترنم پیدا کرنے کا باعث ہے تو دوسری طرف نت نئے مضامین بھی پیدا ہوتے ہیں۔ صابر آفاقی کی نظم ''خلا'' سے ایک مثال پیش خدمت ہے:

گزارنی تھی جو عرضی جناب اے۔سی کو!
''اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے ''قاصداں'' کے لیے''[۱۵]

انھوں نے لفظی اور صوتی تاثرات کے ساتھ معنوی پہلوداری سے بھی بھرپور کام لیا ہے، لیکن طنز کا وار خالی نہیں جانے دیا۔ آفاقی کی نظم ''اے جی آفس'' سے نمونہ کا ایک شعر دیکھیے:

کسی پر کسی کا جو دل آ گیا ہے
جو نیچے تھا اوپر وہ بل آ گیا ہے[۱۵]

صابر آفاقی کے کلام سے شگفتہ گوئی کی مزید مثالیں ملاحظہ کیجیے:

جو تیاں کھا کے یہ کہتے ہیں کہ گھر جائیں گے — گھر میں بھی جوتیاں کھائیں تو کدھر جائیں گے (مرغ مسلم)

بولا طبیب مار گزیدہ کا ہے علاج — اس کا ہے کیا علاج جو بیگم گزیدہ ہو (چنیدہ)

اس قدر اسکول کھولے اہل حرفہ نے یہاں — ہر گلی کے ہر مکاں میں ہم نے ٹلیاں دیکھیاں (دیکھیاں)[۱۵]

عبدالرحمٰن عبد: (۳۰ نومبر ۱۹۴۴ء)

انعام الحق جاوید گلہائے تبسم میں لکھتے ہیں:

عبدالرحمٰن عبد میر پور آزاد کشمیر میں پیدا ہوئے ایم بی بی ایس کر کے امریکہ چلے گئے اور وہیں آباد ہو گئے۔ ان کا "عرفان عبد" کے نام سے سنجیدہ شاعری کا مجموعہ چھپ چکا ہے۔ ادب کی ایک فعال شخصیت ہیں۔ طنز و مزاح بھی لکھتے ہیں اور کافی لکھ چکے ہیں۔[۷]

ڈاکٹر سید تقی عابدی اپنا نسخہ کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ عبد کی ظریفانہ شاعری میں ظرافت سے زیادہ طنز شامل ہے جس کو انھوں نے اپنی فکری بصیرت سے ہم آہنگ کر کے وہ تاثیر عطا کی ہے جس کی یاد مدتوں دل میں باقی رہتی ہے۔ عبدالرحمٰن عبد خوب صورت ظریفانہ قطعات بھی لکھتے ہیں۔ عبدالرحمٰن عبد شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر بھی ہیں۔ اس تناظر میں عبد کا یہ قطعہ ملاحظہ کیجیے:

درد سر کی اسے شکایت تھی — ہم نے کل ایکسرے لیے ہیں کچھ

اور شاعر کے سر میں کیا ہوتا — کچھ ردیفیں ہیں، قافیے ہیں کچھ[۱۵]

فیض احمد فیض کے کلام کی تضمین کر کے انھوں نے اپنی قادر الکلامی ظاہر کی ہے۔ عبد لکھتے ہیں:

راضی ہے آسمان سے ہم کو اتار کے
"دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے"[۱۶]

دیگر مزاح نگاروں کی طرح عبد نے بھی "بیگم" کے موضوع پر شگفتہ انداز میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ ایک نظم "بیوہ اپنی" سے مثال ملاحظہ ہو:

زندگی کاٹے گی کس طور وہ تنہا اپنی
ہم تو جیتے ہیں کہ بیوی نہ ہو بیوہ اپنی[۱۶]

علامہ اقبال عبدالرحمٰن عبد کے روحانی مرشد ہیں۔ انھوں نے اس کا برملا اظہار دیباچے میں بھی

کیا ہے۔ اقبال کے طرزِ سخن سے استفادہ کی ایک مثال پیشِ خدمت ہیں۔ عبد لکھتے ہیں:

اے غزالہ اے مری جان تمنا جانِ جاں　　　تیرے گُن گانے کو پھر مجبور ہے میری زباں
آج بھی دل کش ہے یونہی تیرا حسنِ جاوداں　　　"تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں"[۱۵]

عبدالرحمٰن عبد اردو ادب کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان و ادب پر بھی عبور رکھتے ہیں یہاں تک کہ انھوں نے اکبر الٰہ آبادی کی طرح انگریزی الفاظ کے استعمال سے بھی مزاح تخلیق کیا ہے۔ عبدالرحمٰن عبد نظم "الجھن" میں اس کا اظہار یوں کرتے ہیں:

جسم میں میرے، بچا کچھ بھی نہیں اب فالتو　　　اک Appendix تھی سو نذرِ آپریشن ہو گئی
لوگ Meeting میں ٹھہرتے ہیں ذرا سی دیر کو　　　نام Sign کر دیا Participation ہو گئی[۱۶]

عبدالرّحمٰن عبد نا صرف با کمال ادیب ہیں بلکہ امریکہ میں اردو کو زندہ رکھنے میں بھی اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

عابد محمود عابد: (پ: یکم مئی ۱۹۸۰ء)

عابد محمود عابد گورنمنٹ بوائز پوسٹ گریجوایٹ کالج میر پور میں اردو کے استاد ہیں۔ چتر پڑی (میر پور) میں پیدا ہوئے۔ ان کی طبیعت شروع دن سے شعر و سخن کی طرف مائل تھی۔ ایک مزاحیہ مجموعہ کلام منظر عام پر آچکا ہے۔ تنقیدی مضامین کا ایک مجموعہ ارمغان کے نام سے چھپ کر داد و تحسین سمیٹ چکا ہے۔ عابد محمود عابد کے طنزیہ و مزاحیہ کلام میں روانی اور برجستگی پائی جاتی ہے۔ ان کے کلام کو سہل ممتنع کی ذیل میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ان کی فکر رسا مختلف و متنوع مسائل و موضوعات کو یوں احاطہ تحریر میں لاتی ہے کہ ایک لطف کے ساتھ آگہی بھی جنم لیتی ہے۔ عبدالرحمٰن عابد کی شاعری پر انور مسعود اپنی رائے کچھ اس طرح سے دیتے ہیں:

> اس کے ہاں مزاح زیادہ تر تضمین و تحریف کے حربے سے پھوٹتا ہے۔ اس نے کہیں کہیں پنجابی کے الفاظ کے استعمال سے بھی مزاح پیدا کرنے کی اچھی کوشش کی ہے۔۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ شگفتہ بیانی میں عابد کی مشق و ریاضت کا سلسلہ جاری رہا تو اس سے بڑی توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ ظریفانہ شاعری کا وہ ایک ہونہار نمائندہ ہے۔[۱۷]

عابد محمود عوام کے ساتھ کھڑے ہیں۔ ان کے درد کو سمجھتے ہوئے اصلاح کی کوشش میں مگن

ہیں۔ وہ دل فریب انداز سے کھری کھری باتیں سادہ اور عام فہم مزاحیہ اسلوب میں بیان کرتے ہیں۔ ان کا طنز فرد اور سماج کی کمزوریوں، تضاد، توہم، جبر، فرسودہ خیالی اور بدصورتی کو گرفت میں لاتا ہے۔ وہ تحریف سے فرد اور سماج کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ عابد محمود کے مزاح میں فرد کی ناہمواریوں کو بے نقاب کرنا شامل ہے لیکن ان کا طریق واردات قاری کو مسکرانے اور کھلکھلانے پر مجبور کرتا ہے اور ساتھ وہ اصلاح کی طرف بھی مائل ہوتا ہے۔ ان کی نظمیں "مجھے انگلینڈ جانا ہے"، "فیس بک گرل"، "پاگل کا بچہ"، "پروفیسر"، "خطاب بہ جوانان کالج"، "مسیحائی برادری" اور "طالبات" کے موضوعات ظاہر کرتے ہیں کہ انھوں نے روز مرہ زندگی کے معمولات کے سارے زاویوں کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے اور انھی سے مزاح کا مواد مہیا کیا ہے۔ عابد محمود عابد کی شاعری معاشرے پر اُن کی گہری نظر کا پتہ دیتی ہے۔ اُن کے موضوعات میں تنوع ہے۔ کلام میں یکسانیت کا عنصر نہیں ہے اس لیے ہر صفحے پر تازگی کا احساس ہوتا ہے اور نئے اسرار کھلتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ عابد محمود عابد نے اپنی شعری تخلیقات میں زندگی کی تلخ حقیقتوں کو بھی موضوعِ سخن بنایا ہے جس سے شاعر ایک عوامی شاعر کے طور پر ابھرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اداس ہنس لیں شاعر کی ۲۰ سالہ محنت و ریاضت کا حاصل ہے۔ نظم "کنڈا" میں عابد میں ایک تلخ حقیقت کو کس روانی سے بیان کر گئے ہیں:

مہنگی بجلی سے مقدر میں اندھیرا چھایا آن رکھتے ہی ذرا دیر بجھاتے ہیں چراغ
جب سے کھمبے پہ لگا رکھا ہے کنڈا عابد "رات تو رات ہے ہم دن کو جلاتے ہیں چراغ"[۱۶]

وہ تضمین اور تحریف کا جوہر نہایت سہولت اور ہنر مندی سے استعمال کرتے ہیں اور ایسا تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب شاعر وسیع المطالعہ ہو۔ نظم "لاک ڈاؤن" میں عابد نے تحریف اور تضمین کو ایک ہی قطعے میں سمو دیا ہے:

وائرس جبر طلب اور لور ہے بے تاب "دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک"
مانا رکشا تو سپیشل ہی کرو گے لیکن "لاک" ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک[۱۷]

عابد محمود زندگی کے مضحکات پر ہنستے ہنستے اپنے آپ کو بھی نہیں بخشتے کیوں کہ وہ اس راز سے واقف ہیں کہ جب تک مزاح نگار کو خود پر ہنسنا نہیں آئے گا اسے دوسرے پر ہنسنے کا جواز نہیں ملے گا اور وہ اچھا مزاح تخلیق نہیں کر سکے گا۔ عابد اپنی دراز قامتی کا خود مذاق اڑاتے ہوئے لکھتے ہیں:

کھٹ پر جب ہم سوتے ہیں
آدھے نیچے ہوتے ہیں[۱۷]

ان کی شاعری میں بہت سے اشعار بالکل نئے موضوع اور نئی فکر سے مزین ہیں جنھیں پڑھ کر ان کی فنی مہارت کے ساتھ ان کی فکری صلاحیتوں کی بھی داد دینی پڑتی ہے۔ عابد کا یہ انداز ملاحظہ ہو:

ہاتھوں میں قصائی کے چھری دیکھ کے عابد
بکرے کے بدن میں ہی مٹن کانپ رہا ہے[۱۷]

عابد محمود عابد کی شاعری میں سماجی ناہمواریاں، سیاسی و غیر سیاسی بے ضابطگیاں، اور معاشرتی بیماریاں مزاح کے سانچے میں ڈھل کر قاری کو ایک ایسی شگفتہ کیفیت سے دوچار کر دیتی ہیں کہ ہنسنے کے علاوہ وہ تفکر کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو جاتا ہے۔ عابد اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

جو پوچھا اک حسینہ سے کہاں سے مال آتا ہے
تو بولی مسکرا کر میرے ابا جان لوٹے ہیں[۱۷]

آج کل مفرد اشعار کا چلن بھی عام ہے۔ عابد محمود بھی ایک عمدہ شعر کہ دیتے ہیں تو اسے کھینچ تان کر قطعہ بنانے کی کوشش نہیں کرتے۔ مثلاً:

یہاں ایسا کوئی صوبہ نہیں ہے
جہاں پر میری محبوبہ نہیں ہے[۱۷]

کتاب اور اسٹیج پہ بیک وقت کامیاب شاعر ہونا بہت کم شعرا کو نصیب ہوتا ہے۔ شہرت کی چکا چوند روشنی میں یہ مشکل راستہ اختیار کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ ان سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ زعفرانی رنگ کو مزید پختہ کرتے ہوئے ظریفانہ شاعری میں ناموری پیدا کریں گے۔

حوالہ جات

ا۔ ظہور الدین، ''جموں میں اردو''، مشمولہ: اخبار اردو (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۴ء)، ص۲۰۔

۲۔ صابر آفاقی، جلوہ کشمیر (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء)، ص۲۰۷۔

۳۔ افتخار مغل، آزادکشمیر میں اردو شاعری (مقالہ برائے ایم فل اردو) (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، ۱۹۹۵ء)، ص۱۴۴۔

۴۔ وزیر آغا، اردو ادب میں طنز و مزاح (لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۹ء)، ص۳۳۸۔

۵۔ بلبلؔ کاشمیری، خندہ گل (لاہور: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۸۷ء)، ص ۹۰، ۲۳، ۱۰۶، ۹۷، ۱۰۴، ۱۰۶۔
۶۔ حامدی کاشمیری، ریاست جموں و کشمیر میں اردو ادب (سری نگر: گلشن پبلشرز، ۱۹۹۱ء)، ص ۱۵۴، ۱۵۵۔
۷۔ انعام الحق جاوید، گلہائے تبسم (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء)، ص ۳۴۳، ۷۰، ۱۶۵۔
۸۔ قاضی غلام محمد، حرفِ شیریں (حیدر آباد: ادارہ ادبیاتِ اردو، ۱۹۶۲ء)، ص ۱۸، ۱۱۔
۹۔ عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو (سری نگر: جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز، ۱۹۸۴ء)، ص ۱۳۴۔
۱۰۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۹ء)، ص ۳۰۳۔
۱۱۔ آزر عسکری، کشتِ زعفران (مظفر آباد: کشمیر نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۶ء)، ص ۵۱، ۷۹، ۹۔
۱۲۔ خواجہ غلام احمد پنڈت، اوراقِ پارینہ (مظفر آباد: سنگم پبلی کیشنز، س ن)، ص ۲۳۵۔
۱۳۔ فرمان فتح پوری، اردو کی ظریفانہ شاعری اور اس کے نمایندے (کراچی: فیروز سنز، ۱۹۸۸ء)، ص ۶۷۔
۱۴۔ کلیم اختر، جہانِ ظرافت (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۵ء)، ص ۲۶۴۔
۱۵۔ صابر آفاقی، خندہ ہائے بیجا (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء)، ص ۸، ۸۶، ۴۳، ۴۶، ۲۲، ۳۱۔
۱۶۔ عبدالرحمٰن عبد، اپنا نسخہ (نیو یارک: نیو یارک اردو انجمن، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۱۸، ۱۶۲، ۵۸، ۶۱، ۱۱۱۔
۱۷۔ عابد محمود عابد، اداس ہنس لیں (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۲۱ء)، ص ۱۱، ۲۶، ۳۱، ۱۴۵، ۶۹، ۹۳، ۱۴۷۔